صحیفہ سجادیہ میں دعا کی عرفانی تجلیات

مؤلف: ڈاکٹر مہدی ابراہیمی
مترجم: مولانا نثار احمد زین پوری

اس مقالہ میں صحیفۂ سجادیہ کی دعاؤں کو فلسفیانہ، تجربہ کارانہ اور عارفانہ تناظر میں پیش کیا گیا ہے اور اس کی خصوصیات کو درج ذیل عنوانات میں تحریر کیا گیا ہے:
الف: دعا، عارفانہ تناظر میں بہترین امر ہے کیونکہ دعا کرنا مطلوب ہے اور نتیجہ کے تابع نہیں ہے۔
ب: دعا، عارفانہ تناظر میں اذن خدا کے تابع ہے اور اسی لئے دعا کرنے سے لذت حاصل ہوتی ہے۔
ج: دعا کے کچھ مراتب ہیں جیسے تاجرانہ دعا، خدا کی افعالی تجلی، صفاتی تجلی اور ذاتی تجلی کو درک کرکے دعا وغیرہ۔

خدا سے ارتباط برقرار کرنا انسان کی سب سے اہم ضرورت ہے۔ انسان اور خدا کے مابین تکوینی رابطہ اور انسان کا وجودی طور پر خدا کا محتاج ہونا، اس کی خداجوئی کی فطرت کو سیر نہیں کرتا ہے لہٰذا ضرورت ہے کہ انسان اختیاری طور پر خدا سے ارتباط برقرار کرے جو اس کے فقرِ ذاتی کا ایک مظہر ہے۔ یہ ارتباط جس میں لامحالہ طور پر خدا سے گفتگو بھی شامل ہے، انسان کی خداجو فطرت کو سیر کرسکتا ہے اور اس کی ذاتی ضرورت کو اختیاری فعل کی حیثیت سے پورا کرسکتا ہے۔

خدا سے گفتگو کے مختلف طریقے اور اسلوب ہو سکتے ہیں۔ اس گفتگو کا نام دعا اور عبادت ہے جو دینی ثقافت کا اہم ترین پہلو ہے اور تمام ادیان الٰہی نے دعا و عبادت کو انسانی فطرت کے مطابق مانا ہے۔ دین مبین اسلام میں بھی دعا خدا سے ارتباط برقرار کرنے کا ایک طریقہ ہے اور چونکہ انسانوں کے مراتب مختلف ہیں لہٰذا دعا کے مراتب بھی متفاوت ہیں۔ دعا کے مختلف مراتب پر دینی متون میں بھی توجہ دی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں صحیفہ سجادیہ ایک پر فیض چشمہ ہے۔ دعا کی لذت اور اس کے حسین جلوے مختلف مراتب

میں مختلف ہیں۔ اس مقالہ میں ہم دعا کے مختلف مراتب اور عرفانی تناظر میں اس کی بہترین حیثیت کو پیش کریں گے۔

دعا کے بارے میں مختلف نظریات

دعا کو مختلف نظریات کے تحت تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔ یہاں پر ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

فلسفی تناظر میں:

اس تناظر میں دعا کو ایک عقلانی حقیقت کے عنوان سے موضوع بحث قرار دیا جاتا ہے۔ اس تناظر میں کائنات اور انسان سے دعا کے رابطہ کو علت و معلول کے نقطۂ نظر سے تجزیہ کیا جاتا ہے۔ کیا دعا علت و معلول کے نظام کو بدل سکتی ہے؟ کیا ہم کو خدا سے کوئی چیز طلب کرنے کا حق ہے؟ کیا اسے ہماری ضرورتوں کا علم نہیں ہے، تو ہمارے طلب کرنے کا کیا فائدہ؟ دعا کے بارے میں فلسفی نقطۂ نظر، ان سوالوں کا جواب دیتا ہے اور علت و معلول کے نظام میں دعا کے عقلی کردار کو بیان کرکے اسے فضول بات سے ممتاز کرتا ہے۔

اس تناظر میں انسان کی عقل یہ قبول کرتی ہے کہ دعا عبث کام نہیں ہے لیکن جیسا کہ فلسفی کا خدا قطعاً جمیل نہیں ہے اور تحرک پیدا کرنے والا نہیں ہے، اسی طرح فلسفی خدا سے گفتگو صرف عقل کو مطمئن کرتی ہے لیکن لذت بخش نہیں ہوتی ہے۔ اگر اکثر لوگوں کو دعا میں لذت محسوس نہیں ہوتی ہے تو اس کی وجہ بھی شاید یہی ہے۔

تجربہ کارانہ تناظر میں:

دعا کو انسانی تجربہ کی نگاہ سے دیکھنا، خطا و آزمائش پر استوار ہے۔ اس نگاہ میں ہم تمام چیزوں کو پرکھتے ہیں اور پھر نتیجہ پر پہنچتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں اور خطا والی چیز کو آزمائش کے دائرہ سے باہر کردیتے ہیں۔ طبعی واقعوں کی وضاحت بھی ہم اسی طرح سے کرتے ہیں۔ سترہویں اور اٹھارہویں صدی کے یورپ میں خداشناسی نے بھی یہی رنگ اختیار کرلیا تھا اور انسانی ذہن میں خدا ایک لاہوتی گھڑی ساز کی

حد تک سقوط کر گیا تھا۔ اس نظریہ میں کامیاب دعا وہ دعا ہے جو قبول ہوتی ہے۔ یہ نظریہ بھی انسان کی اندرونی پیاس کو نہیں بجھا سکتا اور اسے گفتگو کی لذت سے آشنا نہیں کر سکتا بلکہ دعا کرنے کی راہ میں مانع ہوتا ہے کیونکہ اس نظریہ کی رو سے ہماری اکثر دعائیں قبول نہیں ہوتی ہیں اور ایسی آزمائش وخطا میں دعا کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔ جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے تجربہ کے باوجود انسان دعا کرتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ ہم دعا کو دوسرے تناظر میں دیکھیں۔

عارفانہ تناظر میں:

اس تناظر میں نہ تو عقلی علت و معلول سے سروکار ہے اور نہ ہی خطا وآزمائش سے۔ اس تناظر میں انسان کی حیرانی وپریشانی معیار ہے۔ اس نقطۂ نظر سے دعا کے قبول نہ ہونے کو خطا نہیں کہا جا سکتا بلکہ اکثر یہی چیز عاشق و معشوق کو پسند ہے۔ اصل یہ ہے کہ خدا نے انسان کو گفتگو کی اجازت دی ہے۔ امیر المومنینؑ نے ایک خط میں امام حسنؑ مجتبیٰ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے:

یابنی واعلم أن الذي بیده خزائن السماوات والأرض، قد أذن لك في الدعاء۔

ترجمہ: فرزند! جان لو کہ جس خدا کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمین کے خزانے ہیں، اس نے تمہیں دعا (گفتگو کرنے) کی اجازت دی ہے۔[۲]

یقیناً ایسی اجازت ایک عاشق انسان کے لئے مبارک اجازت ہے۔ عارفانہ نقطۂ نظر کے مطابق دعا میں انسان خود کو خدا کے سامنے کچھ نہیں سمجھتا ہے اور اپنے لئے کسی حق کا بھی قائل نہیں ہے اور نہ اس سے عمل کی جزا چاہتا ہے بلکہ اپنے لئے کسی عمل کو نہیں دیکھتا ہے۔ امام زین العابدینؑ اس بات پر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں خود سے متعارف کرایا اور اس نے شکر ادا کرنے کا طریقہ سکھایا:

الحمدلله علیٰ عرفنا من نفسه والهمنا من شکره[۳]۔

۱۔ باربور، این، علم ودین، ص ۴۹

۲۔ نہج البلاغہ، مکتوب ۳۱، ص ۳۰۲

۳۔ صحیفہ سجادیہ، ص ۳۲

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں:

وانا یا الٰھی عبدک الذی امرتہ بالدعا۔ترجمہ: اے اللہ !میں تیرا وہی بندہ ہوں جسے تونے دعا کرنے کا حکم دیا ہے۔[1]

اس بنا پر عارفانہ تناظر میں عاشق، دعامیں معشوق کے سامنے فنا ہونے میں لذت محسوس کرتا ہے۔

دعا کی خوبصورتی:

ابھی تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ دعا فقط عارفانہ تناظر میں خوبصورت وجمیل ہو سکتی ہے چونکہ اس تناظر میں استجابت ،دعا کا مقصد نہیں ہے بلکہ دعا کرنا بذات خود مطلوب ہے۔ دعا کی خوبصورتی اس وقت انسان کے سامنے جلوہ گر ہوتی ہے جب دعا کا اصل مقصد نتیجہ نہ ہو، ورنہ خود دعا مطلوب نہ ہوگی بلکہ نتیجہ ہی اسے حسین و قبیح بنائے گا یعنی دعا کی خوبصورتی عارضی ہوگی نہ کہ ذاتی۔ عرفانی تناظر میں دعا کا ذاتی حسن مطلوب ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس نقطۂ نظر سے دعا اجازت کی محتاج ہے۔

اس فرض میں دعا عاشقانہ معرفت کے ساتھ تکوینی اجازت کی محتاج ہے تاکہ انسان از سر نو اجازت حاصل کرے اور یہ از سر نو اجازت جو کہ عاشقانہ اجازت ہے، دعا کو حسین وجمیل بناتی ہے اور اس صورت میں دعا کا کبھی بھی نتیجہ کی بنیاد پر جائزہ نہیں لیا جائے گا۔ خداوند عالم ہر ایک کو دعا میں یہ اذن نہیں دیتا ہے۔ کبھی انسان اس طرح نعمتوں میں غرق ہوجاتا ہے کہ وہ خدا کو فراموش کر دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ ایک بار یااللہ بھی نہیں کہہ پاتا ہے۔

دعائے ابوحمزہ ثمالی[2] میں امام زین العابدینؑ ماہ رمضان کی ہر سحر میں خدا سے اس طرح رازونیاز کرتے ہیں:

"اے اللہ! یہ کیا ہوگیا ہے کہ جب بھی میں خود سے کہتا ہوں کہ میں نماز کے لئے تیار ہوگیا ہوں اور تجھ سے رازونیاز کرنا چاہتا ہوں، تیرے سامنے کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو

۱۔ صحیفہ سجادیہ، ص ۱۱۳
۲۔ قمی، شیخ عباس، مفاتیح الجنان، ص ۲۶۶

مجھ پر غنودگی جیسی حالت طاری ہو جاتی ہے اور جب خود سے کہتا ہوں کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنے باطن کی اصلاح کروں اور توبہ کے مقام پر جانا چاہتا ہوں تو ایسی مشکل سامنے آجاتی ہے کہ میرے قدم آگے نہیں بڑھتے ہیں۔ کیا یہ سب اس لئے ہے کہ تو نے مجھے اپنی بارگاہ سے الگ کر دیا ہے اور مجھے اپنی بارگاہ کے لائق نہیں پایا ہے یا میں تیری نعمتوں کا شکر گذار نہیں تھا لہٰذا مجھے تو نے محروم کر دیا ہے اور میری دعا سننا پسند نہیں کرتا ہے بنابرایں مجھے جدا کر دیا ہے۔"

اگر گفتگو عاشقانہ ہو اور اذن معشوق کی ضرورت ہو، تو انسان کی طرف سے موضوع گفتگو کا تعین بے معنی ہے کیونکہ انسان خدا کے لئے تکلیف (ذمہ داری) معین نہیں کر سکتا اور اسی بنا پر ائمہؑ سے ماثورہ دعائیں موضوعیت حاصل کرتی ہیں۔ یعنی ہم حقیقت میں خدا سے اس زبان سے گفتگو کرتے ہیں جس زبان سے اولیاء اللہ نے اس سے گفتگو کی ہے۔ ماثورہ دعاؤں میں موجود مفاہیم خدا سے انسان کی عاشقانہ گفتگو کی معراج پر ہیں۔ ماثورہ دعائیں دو پہلوؤں سے اہمیت کی حامل ہو سکتی ہیں:

- ان دعاؤں کی اہمیت کا پہلا پہلو عاشقانہ گفتگو کے ادب پر توجہ ہے جو کہ معشوق کی طرف سے معین ہوتا ہے۔ اس گفتگو میں انسان حق کا تابع ہے۔
- ماثورہ دعاؤں میں دوسرا اہم پہلو زبان کا پاک ہونا ہے۔ جو انسان خدا سے گفتگو کرنا چاہتا ہے، وہ اپنی حقیقت پر نظر ڈالنے کے بعد کبھی بھی گناہ سے آلودہ زبان سے خدا سے گفتگو نہیں کریگا۔ بنابرایں ہم ماثورہ دعاؤں میں خدا کو اس زبان سے یاد کرتے ہیں، جس زبان کا مالک گناہ سے پاک ہے۔

بزرگ صوفی سری سقطی سے ایک مناجات نقل ہوئی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

" اگر یہ نہ ہوتا کہ تو نے فرمایا ہے کہ مجھے یاد کرو تو تجھے زبان سے یاد نہ کیا جاتا یعنی تیرا ذکر ہماری لہو آلود زبان سے ادا نہ ہوتا اور تو ہماری زبان میں نہ سماتا اور ہم تیرے ذکر کے لئے اپنی زبان میں کیسے کشادگی پیدا کرتے۔"[1]

۱۔ عطار نیشاپوری، فرید الدین، تذکرۃ الاولیا، ص ۳۴۰

حضرت علیؑ اس طرح مناجات کرتے ہیں:

"اے اللہ! زبانیں تیری ایسی حمد کرنے سے قاصر ہیں جو تیری شایان شان ہو۔"[۱]

لہٰذا انسان اولیاء اللہ کی زبان کی طرف متوجہ ہونے سے ایک حد تک مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس نے گفتگو کا طریقہ معصوم کی زبان سے سیکھا ہے اگرچہ وہ مکمل طور پر خدا کی شان کے لائق نہیں ہے۔

لذت دعا:

حسن وخوبصورتی انسان کے لئے لذت بخش ہے۔ وہ دعائیں جو نتیجہ محور ہوتی ہیں، ان کی خوبصورتی نتیجہ کے حسن کے تابع ہوتی ہے اور ان کی لذت بھی نتیجہ کے تابع ہوگی لیکن عارفانہ دعا فی نفسہ (خود) خوبصورت ہے کیونکہ خود گفتگو موضوعیت رکھتی ہے۔ اور انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ خدا نے اسے گفتگو کرنے کی اجازت دی ہے اور ایسی اجازت لذت بخش ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں امام زین العابدینؑ اس طرح مناجات کرتے ہیں:

> فرغ قلبي لمحبتک و اشغله بذکرک... و هب لي الانس بک و باولیائک و اهل طاعتک۔ ترجمہ: میرا دل تیری محبت کے لئے (تمام چیزوں سے) خالی ہوگیا۔ تو مجھے اپنا، اپنے اولیاء اور اطاعت گذاروں کا انس عطا کردے۔[۲]

دعا سے لطف اندوز ہونا ایک شخصی وذاتی معاملہ ہے لہٰذا ہماری معرفت کے تابع ہے۔ دعا سے وہی لطف اندوز ہوتا ہے جو اس کے اذن پر یقین رکھتا ہے۔ اس بنا پر بعض اہل دل کا ماننا ہے کہ خدا نے حضرت موسیٰ سے جو یہ سوال کیا تھا:

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ ، قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ۔[۳] پہلے ہی جملے سے جو موسیٰ نے ادا کیا تھا: ھی عصای، جواب ہوگیا تھا لیکن معشوق سے گفتگو

۱۔ مفاتیح الجنان، ص ۱۸۰
۲۔ صحیفہ سجادیہ، ص ۱۳۶
۳۔ سورہ طٰہٰ، آیت ۱۶ و ۱۷

کا شوق، گفتگو جاری رکھنے کا سبب ہوتا ہے۔بنابرایں دعا اس وقت لذت بخش ہوتی ہے جب خود گفتگو مطلوب و مقصود ہوتی ہے اور محبوب سے حال دل بیان ہوتا ہے۔

دعا کے مراتب:

دعا کے بارے میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس کے مطابق دعا کے وسیع تشکیکی مراتب ہوتے ہیں کیونکہ دعا کا تعلق براہ راست انسان کی معرفت سے ہے۔اس بچہ کی مانند جو اپنے باپ سے بات کرنا چاہتا ہے۔ باپ کے مقام و مرتبہ سے واقفیت کا اثر براہ راست طرز گفتگو پر ہوتا ہے۔ کبھی بچہ اپنی گفتگو کو اپنی چند خواہشوں کے پیرایہ میں پیش کرتا ہے اور کبھی صرف باپ سے بات کرنا چاہتا ہے اور اس سے اپنے دل کی بات کہنا چاہتا ہے۔ کبھی فقط اس کی آغوش میں بیٹھنا چاہتا ہے۔اسی طرح دعا کے بھی مختلف مراتب ہوتے ہیں۔ان میں سے بعض کی طرف ہم اجمالی طور پر اشارہ کرتے ہیں۔

تاجرانہ دعا: کبھی انسان اپنی مادی ضرورتوں کے لئے خدا سے گفتگو کرتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ خدا اس کی حاجت کو پوری کردے اور اگر حاجت پوری نہیں ہوتی ہے تو آزردہ خاطر ہوتا ہے۔ حقیقت میں انسان خدا سے ایک قسم کا معاملہ کرتا ہے۔ وہ خدا کے مقابلہ میں خود کو بھی کچھ سمجھتا ہے اور اپنی خواہشوں کو اصل قرار دیتا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے عبادت میں جنت و جہنم کو مد نظر رکھتا ہے اور جنت لینے اور جہنم سے بچنے کے لئے خدا سے عبادت کا معاملہ کرتا ہے، اسی طرح دعامیں بھی وہ مادی حاجتوں کے پورے ہونے کی بنیاد پر خدا سے گفتگو کرتا ہے۔

خدا کو روٹی کے لئے یاد کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر ہماری حاجت پوری ہوگی تو ہم خوش ہوں گے اور پھر خدا سے (معاذاللہ) ہمارا کام نہیں رہے گا اور اگر حاجت پوری نہیں ہوگی تو ہمیں افسوس ہوگا اور ہم اس سے گلہ کریں گے۔ کبھی کبھی ہم اس کے سامنے خود کو کچھ سمجھنے لگتے ہیں، اس کی اطاعت پر اتراتے ہیں اور خود کو طلب گار (قرض خواہ) تصور کرتے ہیں۔ دعا کے بارے میں اکثر لوگوں کا یہی نظریہ ہے جو ہر گز صحیح نہیں ہے۔ زیادہ تر لوگ دعا کا یہی مفہوم سمجھتے ہیں۔ دعاؤں کے جو آداب لوگوں کے لئے بیان ہوتے ہیں وہ بیشتر ایسی ہی دعاؤں کو صحیح کرنے کے لئے ہیں تاکہ لوگ دعاؤں میں اعتدال کو ملحوظ رکھیں اور خدا سے دعا کے ادب کو فراموش نہ کریں۔ دعا میں ان آداب کی رعایت کرنا دعا کو ایک حد تک خوبصورت بناتا ہے ورنہ خدا سے اس طرح معاملہ کرنا ہر گز زیب نہیں دیتا۔

اگر انسان یہ یقین کرلے کہ اس کے بارے میں جو خدا چاہتا ہے اسی میں اس کی بھلائی ہے تو وہ اس کے ساتھ معاملہ کرنے سے گریز کرے گا۔ دعائے ابو حمزہ ثمالی میں امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں:

مِن اَینَ لِي الخَیرُ یَا رَبِّ وَلَا یُوجَدُ اِلَّا مِن عِندِکَ ...۔ ترجمہ: پالنے والے! میں کہاں سے خیر حاصل کروں جب کہ خیر صرف تیرے پاس ہے۔[1]

حضرت علیؑ، امام حسنؑ کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"دعا کی قبولیت میں تاخیر تمہیں مایوس نہ کرے۔ کیونکہ اول تو بخشش انسان کی نیت کے مطابق عطا ہوتی ہے۔ ثانیاً، ممکن ہے تاخیر کی صورت میں سائل کو زیادہ جزا عطا ہو۔ ثالثاً، ممکن ہے طلب سے بہتر عطا ہو۔ رابعاً، ممکن ہے جو تم نے طلب کیا ہے وہ تمہاری ہلاکت کا سبب ہو اور خدا تمہاری بھلائی چاہتا ہے لہٰذا تمہاری دعا قبول نہیں کرتا ہے"۔[2]

حضرت علیؑ کے کلام میں یہ تمام مضامین انسان کو تاجرانہ دعا کے مرحلہ سے گذارنے کے لئے ہیں کیونکہ ایسی دعاؤں کا دارومدار نتیجہ پر ہوتا ہے۔ صحیفہ سجادیہ میں ایک دعا ہے جسے امام زین العابدینؑ اس وقت پڑھتے تھے جب مشکل یا بیماری میں مبتلا ہوتے تھے، یہ جملے خدا سے حاجت طلب کرنے کے ادب کو بیان کرتے ہیں۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں:

"اے اللہ! میں نہیں جانتا کہ کون سی حالت شکر کے لئے زیادہ شائستہ ہے، صحت و تندرستی کی حالت کہ جس میں تیری روزی سے استفادہ کی طاقت رکھتا ہوں یا بیماری کی حالت کہ جس میں گناہ سے نجات ملتی ہے"۔[3]

۱۔ مفاتیح الجنان، ص ۲۵۹
۲۔ ایضاً، ص ۳۰۲
۳۔ صحیفہ سجادیہ، ص ۱۱۰

دعا خدا کی افعالی تجلی کے مرتبہ میں:

جب انسان خدا سے تاجرانہ معاملہ کرنے کے مرحلہ سے گزر جاتا ہے، اس وقت وہ حقیقت میں اپنے اندر نور خدا کو محسوس کرتا ہے۔ خدا کا نور انسان کے وجود کا احاطہ کرلیتا ہے، لیکن اس کی تجلی تمام انسانوں کے لئے یکساں نہیں ہوتی ہے بلکہ انسان اپنی معرفت کے مطابق الٰہی تجلی سے حصہ پاتا ہے۔ نور خدا کی روشنی سارے عالم کو منور کئے ہوئے ہے۔ قرآن کہتا ہے:

اللّٰـهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ۔ ترجمہ: اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔[۱]

لیکن نور حاصل کرنے والے کی قابلیت کا بھی اہم کردار ہوتا ہے۔ سب سے پہلے انسان اللہ کی تجلی کو اس کے فاعلی و فعلی صفات میں مشاہدہ کرتا ہے۔ اللہ تعالی کا غفار ہونا یا رزاق ہونا، انسان کے لئے قابل درک وفہم ہے یعنی خدا وندعالم ان افعال کے ذریعہ ہم پر متجلی ہوتا ہے۔ انسان خدا سے رزق وروزی طلب کرتا ہے۔ گناہوں کی بخشش چاہتا ہے لیکن انہی میں وہ خدا کو متجلی پاتا ہے یعنی اس فعلی پہلو کے ساتھ معبود سے گفتگو کو انسان پسند کرتا ہے لیکن مادی حاجتوں کا پورا ہونا حق سے گفتگو کی اتباع میں ہے۔ نعمت صاحب خانہ کی کشش کے تحت الشعاع قرار پاتی ہے اور گھر جانا اور دسترخوان پر بیٹھنا، اس کے دیدار کا ایک بہانہ ہے۔

ائمہ طاہرینؑ سے منقول دعاؤں میں مادی حاجتوں کا بیان اسی اعتبار سے ہے لیکن وہ خدا سے تاجرانہ معاملہ نہیں کرنا چاہتے۔ ہاں وہ مادی حاجتوں کو اس سے گفتگو کے پرتوں میں پیش کرتے ہیں۔ امام زین العابدینؑ دعائے ابوحمزہ ثمالی میں فرماتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِى السِّعَةَ فِى الرِّزْقِ وَالامْنَ فِى الوَطَنِ وَ قُرَّةَ العَينِ فِى الاَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ وَالْمُقامَ فِى نِعَمِكَ عِنْدِى وَالصِّحَّةَ فِى الجِسْمِ وَالقُوَّةَ فِى البَدَنِ...۔ ترجمہ: پالنے والے! میری روزی میں وسعت، وطن میں تحفظ، خاندان، مال و اولاد میں چشم روشنی، اپنی نعمتوں کا تداوم اور صحت وسلامتی عطا فرما۔[۲]

۱۔ سورہ نور، آیت ۳۵

۲۔ مفاتیح الجنان، ص ۲۷۳

اس اعتبار سے خدا سے مادی حاجتیں طلب کرنا بھی خاص حسن رکھتا ہے کیونکہ خوبصورتی کا تعلق انسان کی حاجتوں سے نہیں بلکہ خود گفتگو سے ہے کہ جس کے پیرایہ میں مادی حاجتیں پیش کی جاتی ہیں۔ درحقیقت ایسی دعائیں ہمیں مادی گفتگو کا ادب بھی سکھاتی ہیں کہ خدا سے کیا طلب کریں اور کس طرح طلب کریں۔ افعالی تجلی میں انسان کی زندگی میں بہت سے نشیب وفراز نظر آتے ہیں لیکن ان سب میں خدا (کا جلوہ) نظر آتا ہے۔

امام زین العابدینؑ جب خدا سے اپنی سلامتی طلب کرتے ہیں تو اس کے ساتھ قید لگادیتے ہیں کہ اس میں خدا کی معصیت نہ ہو:

> واحفظنا من بين ايدينا ومن خلفنا وعن ايماننا وشمائلنا ومن جميع نواحينا حفظا عاصما من معصيتک، هاديا الیٰ طاعتک...۔ترجمہ: اور ہماری حفاظت فرما سامنے سے، پیچھے سے، دائیں سے اور بائیں اور چاروں طرف سے، ایسی حفاظت جو گناہ سے روکے اور اطاعت و محبت کی طرف رہنمائی کرے۔[1]

صحیفہ سجادیہ کی تمام دعاؤں میں یہ نکتہ نظر آتا ہے کہ جب خدا سے کسی حاجت طلبی کا وقت آتا ہے تو اس حاجت کا خدا سے کیا تعلق ہے، اس کا بھی خیال کیا جاتا ہے۔ یعنی کوئی بھی چیز مطلق طور پر نہیں مانگی جاتی ہے۔

دعا، اللہ تعالیٰ کی صفاتی تجلی کے مرتبہ میں

صفاتی تجلی کے مرتبہ میں، انسان افعال سے گزر کر خدا کو صفات کے قالب (آئینہ) میں دیکھتا ہے۔ اس مرتبہ میں اللہ تعالیٰ انسان پر اپنے صفات کے ساتھ متجلی ہوتا ہے اور انسان پر حق کا صفاتی نور جلوہ فگن ہوتا ہے وہ خدا کو افعالی قالب جیسے رزاقیت اور غفاریت سے باہر لاتا ہے تو اس پر جمال وجلال اور رحمت جیسے صفات آشکار ہوتے ہیں۔

جو شخص صفاتی شراب کے جام سے سیراب ہوتا ہے وہ ایسا مست ہوتا ہے کہ وہ حق کے صفاتی نور کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھتا ہے۔ حق کے افعال، حق کے صفات میں محو ہو جاتے ہیں۔ یعنی اب اس

۱۔ صحیفہ سجادیہ، ص ۷۳

شخص کی حاجتیں افعال خداوند عالم سے متعلق نہیں ہیں بلکہ اس کی سرگوشی صفات حق کے ساتھ ہے۔ پس اس مرحلہ میں مادی مفاہیم انسانی زندگی کے لغت سے حذف ہو جاتے ہیں اور اس مرحلہ سے سختی کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ خدا کی صفاتی تجلی کی مثال ایک نور کی مانند ہے جو متعدد دریچوں اور مختلف رنگوں میں انسان پر چمکتا ہے اور اسے چکا چوند کر دیتا ہے۔ جو چیز اسے نظر آتی ہے وہ نور ہی ہوتا ہے اور نور کی روشنی میں جو دوسری اشیاء نظر آتی ہیں وہ اس کے لئے اہم نہیں ہوتی ہیں۔ اس کے برخلاف افعالی تجلی میں انسان نور الٰہی سے مادی چیزوں کو دیکھتا ہے اور اس نور کے پرتو میں وہ اپنی حاجتوں کو خدا کے سامنے پیش کرتا ہے۔

اس راستہ کی سختی کو جان کے عوض خریدا جاتا ہے لیکن اس عنوان سے نہیں کہ سختی ہے۔ جیسا کہ افعالی تجلی میں بیان ہوا ہے بلکہ وہ رنج و قلق ہی مطلوب ہے یعنی اس مرحلہ میں سختی وآسانی مسئلہ نہیں ہے بلکہ وہ ایسی لذت بخش ہوتی ہے کہ انسان دست بردار نہیں ہو سکتا۔ دعائے سحر میں امام محمد باقرؑ صفاتی تجلی کے ذریعہ خدا سے گفتگو کرتے ہیں:

اللھم انی اسئلک من جمالک باجملہ. اللھم انی اسئلک من نورک بانورہ[1]۔ یعنی یہاں صفاتی تجلی سے اس حد تک گفتگو ہے کہ اس کے لئے تفصیلی صفت لاتے ہیں۔ صفاتی تجلی کے مرحلہ میں پہنچنے کے بعد انسان کے اندر ایک قسم کی آشفتگی اور مدہوشی آجاتی ہے:

الٰھی والھمنی ولھا بذکرک الیٰ ذکرک۔

یہ مستی ومدہوشی اس کی معشوق طلبی میں شدت پیدا کرتی ہے۔

الٰھی اَقِمْنی فِی اَھْلِ وِلَایَتِک مَقَام مَن رَجا الزیادہ مِن مَحبَّتک... اِلٰھی وَاجْعَلْنِی مِمَّنْ نَادَیْتَہٗ فَاجَابَکَ وَلاحَظْتَہٗ فَصَعِقَ لِجَلَالِکَ۔ ترجمہ: پالنے والے! مجھے اپنے چاہنے والوں کے اس گروہ میں قرار دے جنہوں نے اپنی امید تیری محبت بڑھنے سے وابستہ کر رکھی ہے... پالنے والے! مجھے ان لوگوں میں سے قرار دے جنہیں تو نے پکارا ہے اور انہوں نے لبیک کہا ہے، تو نے ان پر توجہ کی ہے اور وہ تیری عظمت کے سامنے بیہوش ہو گئے ہیں۔

۱۔ مفاتیح الجنان، مناجات شعبانیہ، ص ۲۵۷

اس دعا میں خدا سے محبت کی فراوانی کی طلب ہے اور ہم اس سے یہ چاہتے ہیں کہ اس کی ندا سے ہم غش کھاکے گر پڑیں۔

امام زین العابدینؑ نے صحیفۂ سجادیہ میں خدا سے حاجتوں کے بارے میں بہت سے فقرے بیان فرمائے ہیں جو خدا سے بندہ کے ارتباط کو صفاتی تجلی کے مرحلہ میں بیان کرتے ہیں:

فرغ قلبی لمحبتک واشغله بذکرک...، وھب لی الانس بک وباولیائک واھل طاعتک۔[1]

دوسری جگہ فرماتے ہیں: واجعل یقینی افضل الیقین۔[2]

وھب لنا یقیناً صادقاً تکفینا به معونة الطلب۔[3] واضح رہے یہ دعائیں افعالی تجلی میں مشاہدہ حق سے کہیں بلند ہیں۔ یقین و محبت الٰہی کے درجہ پر فائز ہونے کے ذریعہ انسان صفات الٰہی کے مرحلہ تک پہنچ سکتا ہے اور لذت صفاتی سے سرشار ہو سکتا ہے۔

دعا، اللہ تعالیٰ کی تجلی ذاتی کے مرحلہ میں:

خدا سے گفتگو کا حسین ترین جلوہ تجلی ذاتی اور وحدت حقیقی کے مقام پر پہنچنا ہے۔ اس مرحلہ میں انسان نورالٰہی کو صفات حق کے تکثر میں نہیں دیکھتا بلکہ وحدت حقیقی کو درک کرتا ہے۔ یہ مقام فنا فی الحق کا مرحلہ ہے، انسان حق کے مقابل میں خود کو کچھ بھی نہیں سمجھتا اور پورے ایقان کے ساتھ خود کو اس کے سپرد کر دیتا ہے۔ جب ہم مناجات شعبانیہ میں خداوندعالم سے اسی انقطاع (وایقان) کو طلب کرتے ہیں تو کس قدر لذت محسوس ہوتی ہے:

اِلٰهی هَبْ لِی کَمَالَ الاِنْقِطَاعِ اِلَیْکَ وَاَنِرْ اَبْصَارَ قُلُوبِنَا بِضِیاءِ نَظَرِهَا اِلَیکَ حَتّٰی تَخرِقَ اَبْصَارُ القُلوبِ حُجُبَ النُّورِ فَتَصِلَ اِلَی مَعْدِنِ الْعَظَمَةِ وَتَصِیرَ اَرْواحُنَامُعَلَّقَةً بِعِزِّ قُدْسِکَ۔ ترجمہ: اے میرے معبود! مخلوقات سے جدائی میں مجھے ایسا کمال عطا فرما کہ میں

۱۔ صحیفہ سجادیہ، ص ۱۳۶
۲۔ ایضاً، ص ۱۲۸
۳۔ ایضاً، ص ۱۹۷

مکمل طور پر تجھ تک پہنچ سکوں اور ہمارے دلوں کی بصارتوں کو تیری طرف متوجہ رہنے کی نور سے روشنی عطا کرتے رہنا یہاں تک کہ دل کی آنکھیں نور کے پردوں کو پار کرلیں اور عظمت کے سرچشموں سے جاملیں اور ہماری روحیں تیرے مقام قدس کی بلندیوں سے لٹک جائیں۔[۱]

امام زین العابدینؑ خدا سے مناجات کرتے وقت اس طرح عرض کرتے ہیں:

اللھم اخلصت بانقطاعی الیک۔ اے اللہ! میں نے خود کو سب سے جدا کرکے تیرے لئے خالص کرلیا ہے۔ انقطاع حقیقی وہی مقام انقطاع ہے جہاں انسان ذات الٰہی کے علاوہ ہر چیز سے انقطاع کرلے۔ یہ مقام حقیقت، مقام عدم ہے۔ بعض روایات میں یہ مضمون آیا ہے:

من شغله ذکری عن مسالتی اعطیته فوق مااعطی السائلین۔ ترجمہ: جس شخص کو میری یاد، دعا اور سوال کرنے سے باز رکھتی ہے، میں انہیں اس سے کہیں زیادہ عطا کرتا ہوں۔[۲]

گذشتہ ساری بحثوں سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ دعا کا ایک ثابت مفہوم نہیں ہے بلکہ اس کے مختلف مراتب ہیں۔ دعا کی خوبصورتی مختلف مراتب میں متفاوت ہے۔ تاجرانہ دعا میں حسن نہیں ہوتا اور لذت بخش بھی نہیں ہے لیکن تجلی الٰہی کے مختلف مراتب، فعلی وصفتی اور ذاتی تجلی وغیرہ میں دعا لذت بخش ہے اور یہ تمام مراتب صحیفۂ سجادیہ کی دعاؤں اور مناجاتوں میں بہترین انداز میں نظر آتے ہیں۔

منابع ومآخذ

- قرآن کریم
- صحیفہ سجادیہ، ترجمہ فیض الاسلام، انتشارات فقیہ، ۱۳۷۹ش
- باربور، این، علم ودین، ترجمہ خرمشاہی، مرکز نشر دانشگاہی، تہران، ۱۳۶۲ش
- خمینی، روح اللہ، دیوان، نشر آثار امام خمینی، تہران، ۱۳۸۱ش

۱۔ مفاتیح الجنان، ص ۲۲۵

۲۔ محمدی ری شہری، محمد، میزان الحکمۃ (ج ۴)، ص ۱۶۷۴

❖ سید رضی، نہج البلاغہ، ترجمہ شہیدی، شرکت انتشارات علمی و فرہنگی، تہران، ۱۳۷۸ش
❖ عطار نیشاپوری، فرید الدین، تذکرۃ الاولیاء، تصحیح محمد استعلامی، انتشارات زوار، تہران، ۱۳۸۰ش
❖ قمی، شیخ عباس، مفاتیح الجنان، انتشارات آستان قدس، مشہد، ۱۳۷۵ش
❖ محمدی ری شہری، محمد، میزان الحکمہ، ترجمہ حمید رضا شیخی، دار الحدیث، قم، ۱۳۷۹ش